دار الافتاء

مولانا عزیز زبیدی

اسلام میں گروہی ناموں کی حیثیت

الشارقہ، الامارات العربیۃ المتحدہ سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:-

۱۔ قرآن وحدیث میں امت محمدیہ کا نام "مسلم" تجویز کیا گیا ہے اور جگہ جگہ فرقہ بندی کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لیے اب ہم کیوں نہ موجودہ تمام فرقوں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق موجودہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں میں اتحاد کے لیے کام کریں۔

۲۔ ایک شخص نماز پڑھ کر یا قرآن پڑھ کر یہ کہتا ہے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے کیا یہ ثابت ہے یا نہیں؟

سائل ابو محمد نسیم احمد بن عبد الحکیم ۷/۸ دہلی کالونی کراچی

مقیم حال ص ب ۱۰۹۱ الشارقۃ الامارات العربیۃ المتحدہ (مختصر)

الجواب

وحدتِ ملت:- آپ کا خیال مبارک ہے، بشرطیکہ آپ اپنے طرزِ عمل سے خود ایک فریق بن کر نہ رہ جائیں۔ بہر حال وحدتِ ملت ایک ایسی ضرورت اور فریضہ ہے، جس کے جتنا اور جیسا کچھ کسی سے بن پڑے وہ کر گزرے اور ضرور ہی کیا جائے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور حاضری دے کر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ بنی اسرائیل شرک وکفر میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی تخلیق کردہ اور قابلِ ذکر سائنسی دریافت کے حضور جھک گئے ہیں اور وہ جس محیر العقول ایجاد سے ملک وملت کی خدمت لے سکتے تھے اس کو صنم بنا کر پوجنے لگ گئے ہیں تو غصے اور جلال میں آ کر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے اس کی باز پرس فرمائی کہ ان کی خبر کیوں نہ لی؟ تو انھوں نے جواب دیا۔

اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (پ ۱۶ - ط ع ۵)

(حضور!) میں اس بات سے ڈرا کہ آپ کہیں (واپس آکر یہ نہ) کہنے لگیں کہ آپ نے بنی اسرائیل میں افتراق پیدا کر دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا۔"

غور فرمائیے یہ مرحلہ شرک و کفر کا ہے بلکہ بیمار قوموں کی طرح ندرت پسندی اور عجوبہ پرستی جیسے روگ کا مرحلہ بھی ہے جس کے تبلیغ قمع کرنے کے لیے دوسری تقریباً ہر سنگینی اختیار کی جا سکتی ہے مگر یہ دیکھ کر کہ انسدادی تدابیر اختیار کرنے سے کہیں "وحدتِ ملت" پر کوئی آنچ آجائے، کوئی اقدام نہ کیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری تک اٹھا رکھا۔ کیونکہ جو اقدام وہ خود فرماتے اس کے مخالف اور موافق نتائج کو کنٹرول بھی وہ خود کر سکتے تھے۔ اسلام کا یہ زریں اصول ہے کہ جو اس پوزیشن میں نہیں ہوتے، انھیں ایسی اصلاحی تدابیر کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہوتی جن سے پیدا شدہ حالات کو کنٹرول کرنے سے وہ قاصر ہوتے ہیں اور ملی وحدت کو افتراق اور انتشار سے بچانے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتے۔ ہاں جب حکومتیں اس فریضہ سے غافل ہو جاتی ہیں، اس وقت صرف ان افراد کو حکومت کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کا فریضہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑتا ہے جو عوام پر اپنا اثر رکھتے ہیں اور وہ لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ تبلیغ بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کو مجتمع رکھ کر ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ بھی کرنے پر قادر ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان تبلیغی مساعی اور اصلاحی تدابیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (پ۱۴۔ سورۃ النحل ع ۱۶)

"آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف دعوت دیں (پر) حکیمانہ انداز اور اچھے ناصحانہ طرز کے ساتھ، اور ان کے ساتھ بحث (بھی) کریں (تو) ایسے طور پر کہ دل کو لبھانے والا ہو۔"

حکیمانہ اور ناصحانہ انداز اسے کہتے ہیں جو معقولیت رکھتا ہو اور دردمندانہ ہو ایسا ہو کہ پرائے تو پرائے رہے، اپنے بھی سن کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگ جائیں کیونکہ اسلام میں "ندرت" مطلوب ہے مگر ایسے طرز پر کہ دنیا کے دل میں اتر تی چلی جائے ہاں اسے وقار کا مسئلہ بنا کر کشیدگی کو جنم دینے کے سامان کرنا، اسلام میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ افہام تفہیم کی راہ کھلی ہے مگر بال نوچنے تک جس سے نوبت پہنچے، اسلام نے وہ سب راستے مسدود کر دیے ہیں۔ کیونکہ ملی وحدت کا خون کر کے اسلام کی خدمت کرنا کوئی خدمت نہیں ہے۔

مذموم اختلاف:- اس اختلاف سے مراد علمی اختلاف رائے نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک ناگزیر مقام اور حقیقت ہے جس سے کسی بھی معاشرہ کو مفر نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس سے ملت اسلامیہ ایک سے زیادہ دھڑوں میں بٹ سکتی ہو اور ہر فریق کو اپنے فرقہ کی طرف باقاعدہ دعوت دینے کے لیے مہم چلانی پڑے اور اس رسہ کشی میں یوں کھو جائیں کہ ملکی استحکام، تعمیر، ملی ترقی، اس کی شیرازہ بندی اور اتمام توحید کا فریضہ عملاً ثانوی چیز ہو کر رہ جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سربراہ مملکت کی بھی حماقتوں، اور ذاتی معصیت کوشیوں کی بابت پوچھا کہ ایسے عالم میں کوئی کیا کرے؟ تو آپ نے صبر و حوصلہ کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا تفرقے کے سامان نہ ہونے دیں کیونکہ یہ دین نہیں، بے دینی ہے۔

فلیصبر: فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ (بخاری ومسلم)

بعض روایات میں آتا ہے کہ جب تک وہ نماز کا پابند ہے اس کو نظر انداز کرو (مسلم) غرض یہ تھی کہ فرد کو اس کی حماقتوں کی سزا یوں نہ دیں کہ پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلامی مکتب فکر کے نام پر ہو یا فقہی مذہب کے نام پر، صوفیانہ جذب و سوز کی طرف ہو یا سیاسی جماعتوں کی طرف ہو، بہرحال ان کی طرف یوں دعوت دینے اور مہم چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ ان کی لن ترانیوں کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کا کلمہ جامعہ اور وحدت غلط متاثر ہو بلکہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جہاں عوام کی محنت، حرارت، ہمتیں اور مساعی جمیلہ کا خون دین و ملت اور ملک اور قوم کے شجرِ طیبہ کے بجائے ذیلی شجرِ خبیثہ اور نجی نوعیت کی فرقہ دارانہ جھاڑیوں کے سینچنے میں ہی صرف ہوتا ہو وہاں اس کے ہر نشان کو مٹا دیا جائے۔

ما انا بعلوی ولا عثمانی - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کا تعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا اور دوسرے کا حضرت عثمان سے جس کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ بھی تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپؓ علیؓ کے مشرب اور طریقے پر ہیں؟ آپ نے جواب دیا: نہیں! اور نہ ہی عثمانؓ کے مشرب اور طریقے پر بلکہ میں رسول کے طریقے پر ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: نہ میں علوی ہوں

نہ عثمانی، میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوں۔

قال معاویۃ لابن عباس: انت علی ملۃ علی؟ قال لا، ولا علی ملۃ عثمان، انا علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ: قلت ما انا بعلوی ولا عثمانی ولکن علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ص ۱۶۴ ج ۴)

جداگانہ تشخص پر اصرار۔ یہ بات دراصل اس امر کی غماز ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے اندر ایک ایسی تحریک یا مکتب جو اپنے "جداگانہ تشخص" پر اصرار کرتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اس کے لیے مزاحمت تک اتر آتا ہے تو اسلامی حکومت اور اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس سے ملی وحدت کو بھی نقصان پہنچتا ہے، اس کا شیرازہ منتشر ہو سکتا ہے اور کتاب وسنت کی مرکزی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نخعی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ "سنت" کا لفظ کسی دوسری طرف منسوب کیا جائے، یہاں تک کہ سنۃ ابی بکر وسنۃ عمر بھی کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت نخعی اسے صحابہ اور تابعین کا تعامل بتاتے ہیں۔

قال: کان یکرہ ان یقال: سنۃ ابی بکر وعمر ولکن سنۃ اللہ عزوجل وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ایضاً ص ۱۷۵ ج ۶)

غرض یہ کہ: ملتِ اسلامیہ کے اندر اپنے جداگانہ تشخص پر اصرار یا اس کے شمار پر رقص، اسلام میں بالکل ممنوع ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فکر و عمل کے دائرے اور خاکہ میں کسی غیر رسول کے افکار اور اعمال کے رنگ بھرنے کا میلان بھی ممنوع ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح مرکز گریز رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس سے جداگانہ درباروں کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو شیطان کی آنت سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ نقصان دہ حالات آپ کے سامنے ہیں۔

یہ جداگانہ تشخص سیاسی دائرے میں ہو یا کلامی اور فقہی نوعیت کے دائرے میں۔ بہرحال ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس سے دین و ملت کی خدمت نہیں ہوتی۔ اس کی تذلیل اور تفریق میں اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے فقہی اور کلامی مذاہب کے نام پر ملت کی وحدت کے حصے بخرے ہوتے رہے ہیں۔ اب ان کی جگہ سیاسی جماعتوں نے لے لی ہے۔ گو یہ سیاسی مکتب بعد میں آئے ہیں مگر خاتم المفسدین والمتفرقین ثابت ہو رہے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وقت ہے

کہ ان تمام نسبتوں کا خاتمہ ہو جو اسلام اور حامل قرآن کے بجائے دوسری مشعلیں روشن کر کے اور جدید بانگِ درا تخلیق فرما کر اپنے لیے جداگانہ قافلے ترتیب دے کر سفر کر رہے ہیں۔ خدارا! ان کی باگیں موڑیں اور ان کو ہوش میں لا کر پھر سے بندۂ حنیف بنا دیں۔

ملتِ حنیفیہ۔ یہ ملت، ملت حنیف بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ یکسو ہے اور ہر طرف، سمت اور دوسرے ہر داعیہ سے منہ موڑ کر رب کی طرف منہ کر لیا ہے۔ جن لوگوں نے پیپلز پارٹی، لیگ، جمہوری پارٹی، حنفی، شافعی وغیرہ وغیرہ نام پر جداگانہ سمتیں مہیا کر لی ہیں، انھوں نے نہ صرف ملی وحدت کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس کی روح حنیفیت کا بھی جھٹکا کیا ہے۔ ہم بہر حال جداگانہ تشخص کے نام پر ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے رجحانات کی حوصلہ افزائی سے قاصر ہیں۔ ان سے بیزار ہیں۔ انا براء منکم و مما تعبدون (الممتحنۃ)

طائفہ منصورہ۔ حدیث پاک میں جس طائفہ منصورہ کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد کوئی تنظیم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک ایسی تحریک ہے جو گو وہ اصطلاحی اور معروف معنوں کے لحاظ سے تنظیم نہیں ہوگی تاہم وہ اپنے اعمال، افکار اور ضرب کلیمی کی یکسانیت کی وجہ سے ایک غیر مرئی تنظیم محسوس کی جائے گی گو اس کا تنظیمی ڈھانچہ کہیں نظر نہیں آئے گا تاہم اس کی تخلیقات کے اثرات منظم اور مربوط ہر جگہ دیکھے جا سکیں گے۔ اس کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہوئے اس کا کہیں مشاہدہ نہیں ہوتا کیونکہ پوری امت مسلمہ کے اندر اس کا جداگانہ تشخص اپنے اندر ایک فریق ہونے کی تلمیح ضرور رکھتا ہے۔ اس لیے قدرت نے اس کو تنظیمی تشخص کے بجائے معنوی تشخص عطا کیا ہے کہ ان کی مساعی جمیلہ سے ملتِ اسلامیہ تعمیری رنگ تو پکڑ سکے اس سے اس کی تخریب اور تفریق کی سوتیں نہ پھوٹ سکیں۔

اگر آپ بھی اسی انداز سے ملت اسلامیہ کی وحدت اور دین مبین کے کلمۂ جامعہ کے اتمام کے لیے مساعی جمیلہ انجام دینا چاہتے ہیں تو مبارک ہے۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد! لیکن اگر آپ جماعۃ المسلمین کے نام سے (مثلاً) ایک جماعت اور تنظیم قائم کر کے ملی وحدت کے لیے کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ بھی بجائے خود ایک فریق بن کر رہ جائیں۔ کیونکہ آپ کا جداگانہ تشخص، اور اس کی طرف آپ کی دعوت، یہ دو بجائے خود ایسے محرکات ہیں جن سے عصبیت اور تفرقہ پھوٹ سکتے ہیں خاکم بدہن اگر ایسا ہو گیا تو جس مرض کے علاج کے لیے آپ نے ایک جداگانہ تنظیم قائم فرمائی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ خود ایک فرقہ ہو کر آپ کے لیے دردِ سر بن جائے گی اور آپ فَتَرَمِنَ الْمَطَرِ وَقَرَ

تحت المیزاب والی پھبتی کا ہدف ہو کر رہ جائیں گے۔

اہلحدیث۔ گو "اہل حدیث" کوئی شخصی نسبت نہیں ہے جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری فرقہ وارانہ نسبتوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، تو ذاتی طور پر مجھے اہل حدیث کہلانے پر اصرار نہیں ہے۔ دراصل "اہل حدیث" کا نام بھی تلمیحی نام ہے اور یہ تحریک بھی کچھ اسی قسم کے جذبات لے کر اٹھی تھی جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں کہ غیر رسول سے وابستہ دوسری ساری نسبتیں ملتِ اسلامیہ میں تفریق کی موجد ہیں اور کتاب و سنت سے دوری کی محرک، اس لیے "نام رسول اور حدیث نبی" کے نام کی طرف دعوت دے کر پھر سے وحدتِ ملت کے اہتمام کے سامان کیے جائیں! اہل حدیث کہلانے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں یہ اعلان کیا جائے کہ ایک مسلم "قرآن مجید کو صرف حاملِ قرآن کے آئینہ میں دیکھنے کا پابند ہے۔ کیونکہ قرآن حمید نے خود اس کی طرف دعوت دی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (قرآن) اور خود رسول پاک کو قرآن پاک کے آئینہ میں مشاہدہ کرنے کا ہمیں حکم ملا ہے کان خلقه القرآن (عائشةؓ۔ ابو داؤد وغیرہ) اور ساتھ ہی یہ نعرہ مستانہ بھی بلند کیا گیا کہ، ہم عجمی پیمانوں اور گزوں سے ناپ تول کر قرآن حکیم کے مطالب اور مفاہیم پر توجہ دینے سے بالکل بیزار ہیں — ظاہر ہے کہ یہ تنبیہ اور یہ تلمیحی نام الیسی شے نہیں ہے کہ اس سے کوئی بدکے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی فرقہ اپنے اپنے فرقہ کی شخصی نسبتوں سے دستبردار کے لیے ہم سے اس جائز نسبت کے ایثار کا مطالبہ کرتا ہے تو ہم اسے بھی خوش آمدید کہیں گے، ورنہ نام اللہ کا ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے کہ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

جیسا کہ اب موجودہ جماعت اہل حدیث کا حال ہے کہ اب وہ ایک تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے اگر وہی نعرہ لگا کر آپ کو بھی کل وہاں پہنچنا ہے جہاں پہنچ کر اب وہ ضائع ہو رہے ہیں تو پھر سوچ لیجیے! بہر حال تنبیہ جتنا بلند ہے، اس کے تقاضوں اور اس کے مکارم کو سربلند رکھنا اس سے کہیں زیادہ اونچا منصب ہے اور اس سے بھی زیادہ اس کو نباہ دینا کٹھن مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ صرف ہمت نہیں چاہتا، خلوص اور علم و حکمت کی وافر مقدار بھی چاہتا ہے۔ اگر حوصلہ ہے تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پوری طرح آپ تیار رہیں تو پھر بسم اللہ! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

ایصالِ ثواب: خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، گو حضرت امام ابن تیمیہ اور حضرت امام ابن قیم کے بیانات سے اس کی گنجائش نکلتی ہے، تاہم اپنے طور پر اس اسلوب سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔

اگر کسی کا کیا کرایا مرنے کے بعد کسی کے کام آسکتا ہے تو مرنے والوں کو اپنی کوتاہیوں کے سلسلے میں کچھ زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں رہتی - اگر پسماندگان اور متوسلین کے ناخنِ ایصال سے مرنے والوں کی اخروی گرہیں کھل سکتی ہیں تو ان کو اور کیا چاہیے، خاص کر مال داروں اور جاہ و دولت کے تسبیح خوانوں کے لیے تو یہ مشکل اور بھی آسان رہے گی - سرمایہ داروں کے پاس مال ڈالیاں وافر اور تسبیح خوانوں کے پاس "قُل" بڑے - خدا ان کا کیا کرے گا ؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی -

ہاں بعض پہلو ایسے ضرور ہیں جن کی وجہ سے کسی کی برزخی صعوبتوں میں مدد کی کوئی سبیل نکل آتی ہے - لیکن ان کی نوعیت مروجہ ختمی ایصالِ ثواب سے کافی مختلف ہے - کچھ کا تعلق دعا سے ہے، یہ واقعی کافی مفید رہتی ہے (مشکوٰۃ) اور کچھ کا تعلق ایسے امور سے ہے جو مرنے والے کے سامنے تھے مگر بوجوہ ایسا نہ کر پائے تھے کہ موت آگئی چنانچہ متعلقین نے ان کی طرف سے ان کا یہ قرض چکا دیا یا ان کی بعض خدمات ایسی تھیں جن کی افادی حیثیت کا سلسلہ ممتد تھا اور وہ ان کے لیے صدقہ جاریہ کا کام دے گئیں - بہرحال اس قسم کی چند صورتوں کے ماسوا ایصالِ ثواب کی اور جتنی بھی صورتیں رواج پاگئی ہیں ان کو دینِ مبین سے کم نسبت ہے بلکہ انہیں عجم سے درآمد کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری بہت سی رسومات درآمد کی گئی ہیں اور یہ صورتیں سرتاپا فریب خیز صورتیں ہیں، جنھوں نے بے عملی کی سنگینی کو بالکل ہلکا اور بے وزن کر کے رکھ دیا ہے - الحذر! الحذر!

ہم بہرحال موجودہ حالات میں بالخصوص ان جھوٹے سہاروں کی حوصلہ افزائی کے حق میں نہیں ہیں، ہمارا یہ نعرہ ہے کہ: جو بوؤ گے وہ کاٹو گے ورنہ خالی ہاتھ رہو گے - ان لیس للانسان الا ما سعی (قرآن) اور ہم یہ بھی سفارش کرتے ہیں کہ: اب اس نعرہ کو اور تیز تر کر دیا جائے تاکہ جو سو رہے ہیں وہ جاگ اٹھیں اور جو جھوٹے سہاروں کے سہارے بے عملی کے روگی ہو رہے ہیں وہ تازہ دم ہو کر پھر سے سرگرم عمل ہو جائیں - ؎

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

صرف تین عمل - حضور کا ارشاد ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد ان کے سارے سلسلے ختم ہو جاتے ہیں، صرف تین عملوں کا ثواب ان کو پہنچتا رہتا ہے - ۱. صدقہ جاریہ، ۲. علم جو پڑھ گئے، ۳. اولاد کی دعائیں۔

اذا مات ابن آدم انقطع عنہ عملہ الا من ثلٰث (۱) صدقۃ جاریۃ (۲) او علم ینتفع بہ - (۳) او ولد صالح یدعو لہ (اخرجہ مسلم و ابو داؤد وغیرھما)

اب آپ غور فرمائیں جب آپ کا ارشاد ہے کہ: اور کوئی چیز ان کو نہیں پہنچتی تو آپ اور ہم کون ..